# شہرِ بے چراغ میں

سعید عارفی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شہر بے چراغ میں

سعید عارفی

مخدوم و مکرّم
پروفیسر شمیم حنفی صاحب
کی
خدمت میں
ادب و احترام
کے ساتھ

سعید عارفی

9-5-2001

یہی عمر بھر کا رنج سفر ہمارا ہے
کسی شہر بے چراغ میں گھر ہمارا ہے

# شہر بے چراغ میں

## سعید عارفی



پہچان پبلی کیشنز، ا۔ برن تلہ، الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

# شہرِ بے چراغ میں
(نظموں کا مجموعہ)

سعید عارفی

***Shahre Be Chiragh Mein***
(A Collection of Poems)
by ***Saeed Arifi***


| | | |
|---|---|---|
| طبع اوّل | : | دسمبر ۲۰۰۰ء |
| تعداد | : | ایک ہزار |
| سرورق | : | زوار حسین (پاکستان) |
| کمپیوٹر کمپوزنگ | : | شارپ ٹریک، الہ آباد |
| مطبع | : | Keshav Prakashan, Allahabad |
| قیمت | : | ایک سو پچیس روپے |

تقسیم کار

پہچان پبلی کیشنز، ۱۔ برن تلہ، الہ آباد۔ ۲۱۱۰۰۳



مصنف کا پتہ

Dr. Saeed Arifi
Eidgah Road-II
Salarganj, Bahraich 271801
Phone:05252.33338



ملنے کے پتے:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار جامع مسجد، دہلی۔۶۔ علی گڈھ، بمبئی برانچ سے بھی
اثبات و نفی پبلی کیشنز، 89/5، رپن اسٹریٹ، فرسٹ فلور، کلکتہ ۷۰۰۰۱۶
رائی بکڈپو، کٹرہ، الہ آباد

اپنی شریک حیات

نسرین

کے نام

میں پہلے اپنی ہی قسمت کو کوستا تھا، مگر
سنا ہے اس کا بھی گھر شہر بے چراغ میں ہے

# فہرست

# اپنی باتیں

'شہرِ بے چراغ میں' آپ کے ہاتھ میں ہے۔زندگی اور حالات نے لمحہ لمحہ میرے جذبات واحساسات پر جو کچھ مرتسم کیا،ماحول نے تجربات و مشاہدات کی صورت میں جو کچھ دیا، میرے دل ودماغ کی جو کیفیات رہیں، میرے درون میں جو کچھ رونما ہوتا رہا،وقت فکرو شعور پر جو کچھ مرتب کرتا رہا، انھیں تاثرات کو میں نے قلم بند کرنے کی ایک ناکام کوشش کی ہےاور تحریری شکل میں جو کچھ بھی وجود میں آیااسے میرے احباب نے شاعری کانام دیا،اب یہ شاعری ہے یا نہیں، یہ آپ جانیں،اگر شاعری ہے تو میرے احباب کو دعائیں دیں اور نہیں ہے توالزام میرے سرڈالیں، بہر حال فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔

میں اپنے تعلق سے کبھی کسی خوش گمانی یاخوش فہمی کا شکار نہیں رہا کہ مجھے اپنی بساط کا اندازہ اور علم ہے۔مجھے کبھی اس بات کا بھی زعم نہیں رہا کہ میں شاعر ہوں اور دوسروں سے الگ ہوں۔مجھ میں ہمیشہ ایک عام انسان جاگزیں رہتا ہے،ہاں میں ادب سے اپنے رشتے کو کسی طور پر ہر وقت استوار رکھنے کوشش ضرور کرتا ہوں۔'شہرِ بے چراغ'میں میری پہلی کتاب ہے جس میں صرف نظمیں ہی ہیں۔

یہ مجموعہ برادرم اسرار گاندھی، علی احمد فاطمی،سرور احمد خاں،غضنفر،محسن خان،وہاج الدین علوی، عتیق الہ آبادی، عاصم شہنواز شبلی، ظفر اقبال ظفر اور نیر عاقل کے مسلسل اصرار اور محبت بھری ناراضگی کا نتیجہ ہے۔ان حضرات کی چاہتوں اور تقاضوں کے سامنے مجھے گھٹنے ٹیکنے پڑے کہ ان لوگوں کو ناراض کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔میں ان لوگوں کے بغیر خود کو ادھورا اور بے معنی تصور کرتا ہوں۔ان کی رفاقتیں مجھے نہ صرف عزیز ہیں بلکہ زندگی کا اہم سرمایہ بھی ہیں۔

میں متشکر ہوں استاد محترم سید محمد عقیل رضوی،شمس الرحمن فاروقی،جعفر رضا، اظہار وارثی، محسن زیدی،مہدی جعفر،خورشید افسر بسوانی،اورنامی انصاری صاحبان کا کہ ان حضرات کی خصوصی توجہ میری شاعری کو جلا ہی نہیں بخشتی بلکہ ادب کے سلسلہ میں مجھے متحرک بھی

رکھتی ہے۔ میں نے ان مہربان لوگوں کی شخصیت، ذات اور تحریروں سے ہی بہت کچھ جانا، سمجھا اور سیکھا ہے۔ یہی میرے حقیقی اور معنوی استاد اور رہبر ہیں۔

یہ مجموعہ اس بات کا بھی گواہ ہے کہ میری نصف بہتر نسرین، میرے بیٹے فراز اور صہیب میرے اس ادبی سفر میں پوری طرح سے شامل رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اگر مجھے ہمیشہ غم روزگار سے آزاد نہ رکھا ہوتا تو شاید یہ راستہ اتنا آسان نہ ہوتا۔ میں ان لوگوں کی اس بے پناہ چاہت اور محبت کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

آج ان لمحوں میں جب کہ میری پہلی کتاب 'شہر بے چراغ میں' منظر عام پر آرہی ہے، مجھے اپنے والدین بے حد یاد آرہے ہیں اور مجھے اپنی محرومی کا احساس شدت سے ہو رہا ہے، کاش آج وہ بہ حیات ہوتے تو کتنا خوش ہوتے۔ میں آج جو کچھ بھی ہوں ان کی دعاؤں کی وجہ سے ہی ہوں۔ مجھے ادب کا ذوق اپنے والد محترم حضرت عارف عباسی مرحوم سے ملا، ان کا شمار دبستان جگر کے اہم شعراء میں ہوتا ہے۔ تہذیب و ثقافت کے جو عناصر میری ذات میں ہیں وہ بھی والدین کی تربیت کا نتیجہ ہیں۔

یہ کتاب جس شکل و صورت میں آپ کے پاس ہے، کبھی نہ ہوتی اگر برادر مکرم چودھری ابن النصیر صاحب کی محبت، توجہ، محنت اور بے پایاں خلوص میرے ساتھ شامل نہ ہوتا۔ اس مجموعہ کا سارا حسن انھیں کا رہین منت ہے۔ ان کا شکریہ کس طرح سے ادا کروں کہ الفاظ چھوٹے لگتے ہیں۔

میں ادارہ 'پہچان' کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ اس نے اس کتاب کی طباعت و اشاعت کی ساری ذمہ داریاں اپنے سر لے کر مجھے گراں باری سے سبکدوش کر دیا۔

سعید عارفی

۱۱ - عید گاہ روڈ
سالار گنج، بہرائچ - ۲۷۱۸۰۱

# نزولِ کلام حق

وہ ایک ساعت
جو ساعت جاں فزا ہے
جس نے تمام انسانیت کو بخشا
فروغ ایماں
متاع ایقاں
شعور ہستی
نظام کامل
صحیفۂ آخری کے آغاز کا اجالا
پیمبروں کی بشارتوں کا ثبوت محکم
کہ جس کے دم سے
بشر نے زریں اصول پایا
تمام قرنوں کا بن کے حاصل
صداقتوں کا سراغ لے کر
ہدایتوں کا چراغ لے کر
فلک سے غار حرا میں اتری

## ایک نظم
(بہ حضور رسالت مآبؐ)

نگاہِ سرورؐ
محبتوں کا سبق پڑھاتی
ورق ورق
چہرۂ منور ہے
چاہتوں کی کتاب جیسا
کہ وہ سراپا
مقدس و محترم، مبارک
کہ صبح صادق

زمیں پر کہکشاں سی اتری
جوان ستاروں سے بھی زیادہ
چمک رہی ہے
زبان میں انؐ کی
ایسی نرمی
کہ مامتا سی ہمک رہی ہو
عمل
کہ قوس قزح کے جلوے
قدم قدم پر بکھر رہے ہوں
یہ ذات فانی
نگاہِ سرورؐ کے اک اشارے نے

جس کو
جہد و عمل کا
حسن دوام بخشا
وہ علم و اخلاق کا خزانہ
کہ جس کا سارا جہاں ٹھکانا
خدا کی مخلوق کا وہ محسن
خدا کی مخلوق کا وہ ہمدم
خدا کی مخلوق
اس کا محور
خدا کی مخلوق
اس کی منزل
خدا کی مخلوق
اس کا مرکز
وہ ذات کامل کہ جس کا ہے اک قدم زمیں پہ
اور اک قدم
کائنات کی وسعتوں سے آگے
تبسم اس کا
کہ صبح صادق کے نرم ہاتھوں میں
شمع خورشید گل بداماں
وہ دو جہاں کی مسیح آنکھیں
مریض انسانیت کا جس کی
اشارتوں میں علاج نکلا
وہ دو جہاں کی امین آنکھیں
جدھر اٹھیں زندگی بدل دی
تمام انسانیت کے درد و الم کو چن کر
اداس ہونٹوں پہ اپنی شفقت کے گل کھلا کر
حیات کے بحر بیکراں میں

نئے عزائم کا
حوصلوں کا
شعور بخشا
بشر کو بے خوفیاں عطا کیں
قدم قدم پر
سسکتی اور بے قرار
روحوں کو
بے بہا دولت سکوں دی
تعصب و عصبیت کے شعلے
غبار نفرت میں ساری دنیا اٹی ہوئی تھی
نئی سحر نے غبار چھانٹا، بجھائے شعلے
سسکتی انسانیت کو آخر
وہ زندگی کا وقار بخشا
وہ عزم وہ اعتبار بخشا
ہمارے سر کو
بلندیاں دیں
ہمیں بتایا
کہ ساری دنیا ہے ایک کنبہ
کہ سارے انساں ہیں برابر
کوئی کسی سے بڑا نہیں ہے
خدائے واحد ہے سب کا مالک
جو سر جھکے تو خدا کے آگے۔۔
میں جانتا ہوں
سفر پیام نبی کا جاری ہے
اور جاری رہے گا یوں ہی
کہ اس سفر کا
قیام محشر سے سلسلہ ہے

# شب عاشور

یہ رات حق سے مناجات کی، دعاؤں کی
یہ رات ذہن میں الجھے ہوئے سوالوں کی
یہ رات بے وطنوں کی وفا شعاروں کی

یہ رات سجدہ و تسبیح کردگار کی رات
یہ رات صبر و تحمل کے اقتدار کی رات
یہ رات صبح قیامت کے انتظار کی رات

یہ رات صبح سے ظلمت کے اختلاف کی رات
یہ رات سب پہ حقیقت کے انکشاف کی رات
یہ رات اوج صداقت کے اعتراف کی رات

یہ رات نیزوں پہ شمعیں جلانے والوں کی
یہ رات حق کے لیئے جاں گنوانے والوں کی
یہ رات خوں کے جواہر لٹانے والوں کی

یہ رات تشنہ دہانی کے جس نے جام پیئے
یہ رات جس میں بجھائے گئے تمام دیئے
کہ کوئی لوٹے نہ رسوائیوں کے داغ لیئے

ثبات زہد و صداقت کی رات کہیئے جسے
یہ رات اہل شجاعت کی رات کہیئے جسے
یہ رات فتح کی، نصرت کی رات کہیئے جسے
یہ رات ذوق شہادت کی رات کہیئے جسے
یزید کے لیے ذلت کی رات کہیئے جسے

یہ ایک رات جو طاری رہے گی ذہنوں پر
یہ ایک رات تو بھاری ہے کتنی صدیوں پر
اس ایک رات کے پرتو ہیں ساری صبحوں پر

یہ رات وقت کی تقدیر لکھنے والوں کی
یہ رات صبر کی تفسیر لکھنے والوں کی
لہو سے ریت پر تحریر لکھنے والوں کی

یہ ایک رات جو تابانیوں کی ضامن ہے
یہ ایک رات جو سو سورجوں کا مخزن ہے

یہ رات دیتی ہے پیغام حق پرستی کا
یہ رات زینہ ہے اسلام کی بلندی کا

# خلاؤں سے پرے
## (والدہ مرحومہ کی یاد میں)

تنہائی کے لمحوں میں
میرے ذہن کے اوراق پر
اکثر و بیشتر
ایک تصویر ابھرتی ہے
میں نے اس تصویر کے زندہ وجود کو
بہت قریب سے دیکھا ہے
مگر ان لمحوں میں
جب میرا شعور پختہ نہیں تھا
ذہن کی دیواریں
سادہ، چکنی اور سپاٹ تھیں

جس پر ہر عکس پھسل کر دور نکل جاتا تھا
میں جانتا ہوں
میرا وجود اس کا اٹوٹ حصہ ہے
لیکن
میں چاہ کر بھی اس کی تجسیم سے قاصر ہوں
اس سے میرا تعلق
تخلیق کار اور تخلیق کا ہے
یہ تصویر
میرے اپنے وجود کی بنیاد ہے
پھر بھی میں اسے الفاظ کے پیکر میں
سمیٹ نہیں پاتا
کچے ذہن کے سارے اوصاف
شاید اب بھی مجھ میں موجود ہیں
ممتا کی انگلیوں کا لمس
میں مسلسل اپنے وجود پر محسوس کرتا ہوں
درد کی شدت
غموں، دکھوں
بیماریوں، محرومیوں
لاچاریوں، آسائشوں
مسرتوں، راحتوں اور سفر، حضر میں
وہ ہر لمحہ میرے ساتھ ہے
قریب بہت قریب
شہ رگ کی طرح

جب بھی گھر لوٹتا ہوں
تو لگتا ہے
گھر کی دہلیز
دروازوں اور کھڑکیوں میں
دو آنکھیں میری منتظر ہیں

یہ آنکھیں کسی اور کی نہیں
میری ماں کی آنکھیں ہیں
مجھے یہ آنکھیں
افق تا بہ افق
شب و روز دیکھتی رہتی ہیں

میرے دونوں بیٹے
اپنے معصوم لہجے میں
مجھ سے برابر پوچھتے رہتے ہیں
دادی کیسی تھیں؟
ان کے یہ سوالات مجھے
دشت سکوت میں لا کر کھڑا کر دیتے ہیں
اور میں
تمام یادوں کو سمیٹ کر تجسیم میں لگ جاتا ہوں

ان کے اطمینان کے لیے
میری زبان کھلتی ہے
لیکن الفاظ بہت چھوٹے لگتے ہیں
اور مجھے اپنی نارسائی کا احساس ستانے لگتا ہے
میں انھیں بتاتا ہوں
تمہاری دادی
دودھ اور شہد کا مرکب تھیں
بالکل تمہاری ماں جیسی
دونوں خوش ہو کر
اپنی ماں سے لپٹ جاتے ہیں
اور میں
دور خلاؤں میں کھو جاتا ہوں

# سبھی کچھ مٹا دیں

سڑکوں پہ نالیاں
کمروں میں مکڑی کے جالے
بے معنی شامیں
بے مطلب سحر کے اجالے
روشنی پھیلی
کھڑکیاں کھلیں
گنگناہٹیں جاگیں
سڑکوں پر جی اٹھا
پھر ایک شہر
بند ہو گئیں سرسراہٹیں
جھیلیں گے سب
سر ہے آسمان کے حوالے
فرش پر گرے گھونسلے
بکھر گیا تنکوں کا میلا
لاکھوں خبروں کی بھیڑ میں
ایک خبر ہے
اکیلی
آؤ سبھی کچھ مٹادیں

# ردِّ عمل

برگ آوارہ ہوا میں منتشر
رہ گئے تنہا شجر
ساری شاخیں اجنبی سی لگ رہی ہیں
اب ٹھہرتی ہی نہیں ان پر نظر
ہر طرف
بس جان لیوا سرسراہٹ
رات کی تنہائی میں
جادو جگاتی پھر رہی ہے
دور تک
کھیتوں میں سوئی بیوگی کا خوف
اندیشوں کو پیدا کر رہا ہے
زندگی سے لڑ رہا ہے
ہر مسافر راہ چلتے ڈر رہا ہے

# جسم کی تلاش

جسم بھی ٹوٹ چکا، کون اسے پہچانے
روح میری مجھے آواز نہ دے پائی کبھی
راستے بھی مری پرچھائیں سے آگے نہ بڑھے
اور احساس کی قندیل بجھی شام ڈھلے
رات گزری تو ہوا یوں محسوس
نیم وحشی سی کہانی تھی سنانے کو جسے
صبحِ نو جیسے دبے پاؤں چلی آئی مرے کمرے میں

اور

میں شہرِ خموشاں میں کئی صدیوں تک
یہی سوچا کیا جیسے مرا ٹوٹا ہوا بکھرا ہوا جسم
اسی فرسودہ کہانی میں چھپا بیٹھا ہے
میں نے سوچا کہ
اسے ڈھونڈھوں
اسے اپنے قریب لاؤں
اور پوچھوں کہ مری ذات سے ہو کر تو جدا
کیوں اساطیر کے زنداں میں رہا یوں محبوس؟

# شکست ذات

یہ سوچتا ہوں میں تنہائی کے جزیرے میں
تمہارے نام سے کس چیز کو کروں منسوب
قلم، کتاب، حسین ٹائٹل، نئی تخلیق
جدید فلسفہ، عہد قدیم کے اسطور
یہ سارتر، یہ فرائڈ، یہ ژنگ، یہ کامیو
ہیں جن کی فکر سے روشن علوم کے ایواں
مرے شعور کی روان کا ساتھ دے نہ سکی
دو ایک چائے کی پیالی پہ زندگی کا مدار
دھواں دھواں ہے مری زندگی کا ہر لمحہ
کسے خبر ہے کہ تخلیق فن کے لمحوں میں
تمہارے غم میں مری زندگی پہ کیا گزری
میں عصر نو کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر
جدید طرز کے اصنام لے کے آیا ہوں
میں ٹوٹے پھوٹے ہوئے پیکروں کو بہلانے
شکست ذات کا پیغام لے کے آیا ہوں

# آتش زدہ شہر

بکھر گئی ہے راکھ گھنے دروازوں پر
سگرٹ کی مانند سلگتا سارا شہر
ذہن و دل پر چھائی ہے کیوں پیلی سی اک تنہائی؟
دہشت کا اندھا دیوتا
نگل رہا ہے سمتوں اور کناروں کو
بھاگ رہے ہیں سڑکوں پر کیوں
پاگل انساں کتوں کی مانند
ہر گھر میں لاشیں بکھری ہیں
چاروں اور دھوئیں کے بادل
شعلوں کی اودی لہریں
سڑکوں پر ننگی پھرتی ہیں
کیفے، سنیما اور کلب گھر سب خاموش
پھیل رہا ہے گلی گلی میں اک کالا آسیب
دیکھ رہا ہوں میں بے بس لاچار
انگاروں کا ڈھیر
یہ ہے اپنی صدی کا تحفہ
جس میں کمپیوٹر
گنتے ہیں انسان کے سر

# خاموشی: انتظار کی تصویریں

کالی لمبی راتیں کاٹیں
میلوں لمبا سا دن گزرا
ختم ہوئے ہیں سارے کام
جیسے بیتی عمر تمام
خواب آلودہ آنکھیں ہیں پتھرائی ہوئی
اور یہ دل کی راہیں ہیں ویران دریچوں کی مانند
جن میں امیدوں کے پودے
خاک میں مل کر
مردہ جسم کے روپ میں تم کو ڈھونڈھ رہے ہیں
تم ہو کہاں
دور تلک خاموشی ہے
دور تلک ویرانی ہے
تم
بھی
نہیں
ہو
بیتے لمحو!

# سانپ، کمرہ اور میں

تنگ کمرے میں۔۔۔ کچھ سانپ ہیں
اور میں
فرش پر لال آنکھیں دکھاتے ہوئے سرخ انگاروں سے
خود کو محفوظ رکھنے میں مصروف ہوں
اور کمرے کی چھت
روشنی کی لکیریں سمیٹے کھڑی ہے
غرض
پاؤں کو سرخ انگاروں سے
سر کو چبھتی ہوئی روشنی کی لکیروں سے محفوظ رکھنے میں میں
منہمک ہوں
کالے، پیلے، ہرے
سانپ بھی
مجھ کو ڈسنے چلے آرہے ہیں
مگر۔۔۔ میں انھیں مار ڈالوں گا اک دن، یہ مجھ کو یقیں ہے
پھر اچانک میں یہ سوچتا ہوں
میرے کمرے میں روزن نہیں ہے کوئی
جس سے بادِ صبا چپکے در آ کے شعلوں کو دہکا سکے
بلب خاموش ہے!!
پھر بھلا سانپ کیوں آئیں گے؟
جسم سے وسوسوں کی یہ بوسیدہ چادر ہٹا کر
صاف ستھرے سے بستر پہ میں سو رہا ہوں
کیوں کہ پچھلے جنم سے میں نردوش ہوں
مرا تنگ کمرہ
مجھے دیر سے تک رہا ہے!!!

# سیلف پورٹریٹ

شیلف پر رکھی کتابیں
بے تحاشہ چیختی ہیں
کاش کوئی چھیڑ دے
ساز دل کے تار کو
درد کو
پہچان لے
یا بتا دے
کیوں کتابوں کے ورق سے
ہو گئے الفاظ غائب یک بہ یک
غار تنہائی میں
معنی سسکیاں
کیوں لے رہے
ہیں پے بہ پے؟
غار تنہائی میں
معنی سسکیاں
کیوں لے رہے
ہیں پے بہ پے؟

# احتساب

---------------لیکن
میں یہ دیکھ رہا ہوں
لفظوں کے بہتے ساگر میں
اک اک چہرہ مسخ شدہ ہے
آخر کب تک
الٹے
سیدھے
ٹوٹے
پھوٹے
گونگے
بہرے-----یہ الفاظ
مجھ سے رشتہ جوڑ کے یونہی بور کریں گے؟
لفظوں کی بیساکھی آخر----کب تک
میرے ساتھ رہے گی!!

# سائے کا سفر

آج پھر یاد کے سوئے ہوئے ویرانے میں
کتنے بھولے ہوئے چہروں کے جہنم جاگے
اپنی لو تیز کر اے شمع شبستان حیات
چل پڑی ذہن میں ماضی کی صلیبوں کی برات

نہ کہیں درد کی منزل نہ تڑپ کے سائے
نہ کہیں پیار کی خوشبو، نہ کہیں لمس کی آگ
نہ تو فردا کے سلگتے ہوئے خوابوں کی تھکن
نہ کسی سمت سے آتے ہیں فسوں کار پیام
کس کے ہم راہ چلیں کس سے سہارا مانگیں
کوئی اپنا نظر آتا نہیں اب دنیا میں

وقت ہے، آؤ زمانے کی نگاہوں سے پرے
بیکراں رات کی پہنائی میں ہم کھو جائیں

# پس منظر

کبھی تو سیاروں سے نگاہیں ہٹا کر
اترو
نمناک آنکھوں کے تاریک غاروں میں
اور
دیکھو
نیلی گھائیوں کی
وسعتوں میں
جہاں
دن ڈوبنے سے پہلے ہی
روشنی
اپنے خیمے اکھاڑ لیتی ہے
پھر بھی
باقی رہ جاتے ہیں
دودھیا رنگ میں نہائے ہوئے قصبات
کھلکھلاتے لوگ
خوبصورت مکان
جگمگاتے قمقمے
اور
زندگی کی تھکن سے عاری
ہر طرف بکھری ہوئی
صاف، شفاف
تازہ دم مسکراہٹیں

# ایک شام

اداس کائنات
خوف،
یہ ڈراونی سی شام!
اندھیرا
اک غلیظ اندھیرا حکمراں
یہ شب پروں کے قہقہے
یہ خامشی کی سلطنت
یہ سائے ڈولتے ہوئے
بہ حال خستہ وزبوں
یہ سسکیوں کا ایک بحر بیکراں
یہ راستوں پہ خون کی لکیریں بولتی ہوئی
امانتوں کا بار دوش پر لئے
یہ راکھ میں چھپے ہوئے
پہاڑ جیسے گھر
کھڑے ہیں انتظار میں
مکین کے
چتائیں جل رہی ہیں
جنگلوں میں گیدڑوں کا ناشتہ بنی ہوئی
یہ نقشہائے سوختہ
وہ کون ہے جو منزلوں کی سمت ان کو لے چلے
کوئی نہیں
کوئی نہیں

# خوشبو کا عمل

ایسا کیوں ہوتا ہے؟
جب
برگ زرد
سکوت آشنا خلاؤں میں آوارہ
خاموشیاں
موسم خزاں کی علامت
دھڑکنیں
سماعت سے ماورا
گردشیں
نقطۂ انجماد پر
اور پھر
کوئی سرخ گلاب
ٹہنی سے ٹوٹ جاتا ہے
یہ کیفیت
سارے چمن کو حیرت زدہ کر دیتی ہے
گلاب کے جدا ہونے پر
سسکیاں تو ابھرتی ہیں
مگر
گلاب کی خوشبو کا عمل جاری رہتا ہے

# بے حس تصویریں

میرے اپنے کمرے کی دیواروں پر
رنگ برنگی تصویریں لٹکی ہیں
مجھ سے پوچھ رہی ہیں
سعید عارفی تم کیسے ہو؟
آخر کیوں خاموش پڑے ہو؟
کیا میں ان کے سامنے اپنی ساری کیفیت کو رکھ دوں؟
اپنا سارا حال بتادوں
کہہ دوں؟
میں اپنے سے عاجز ہوں
ہر دم
ذات کا بھاری پتھر
میری چھاتی پر رکھا رہتا ہے
اپنے اندر ٹوٹ پھوٹ کر
اب میں
سب سے دور پڑا
تنہائی سے کھیلا کرتا ہوں
سچائی کو جھیلا کرتا ہوں
لیکن
ایسا کہہ لینے سے کیا پاؤں گا
رنگ برنگی یہ تصویریں تو بے حس ہیں

# تنہائی کا درد



حدودِ شہر میں
چپ چاپ وہ چلتا رہا برسوں
بہت سے لوگ واقف تھے
مگر پھر بھی وہ تنہا تھا
وہ اپنی ذات میں

تمام غم انگیز لمحوں کی اذیت کو سموئے ہوئے
ہنستا رہا گاتا رہا
قلم، فائل، کتابیں، کاپیاں
شور و ہنگامہ
تبسم ریز باتیں
اس کا مشغلہ بن گئی تھیں
کبھی درد کی لذت
کبھی کرب کی لذت
کبھی پرائے دکھوں کو لکھنا
کبھی اپنے آلام کو نغمگی عطا کرنا
کبھی دردمندوں کے آنسوؤں کے چمکتے ہوئے قطرات کو
موتی کی طرح ڈھالنا
کبھی دنیا کے درد و الم اور تشنگی کا
مرثیہ لکھنا
یہی تھی جستجو اس کی کہ
اپنے عہد کے ہر فرد کے دکھ درد کو
اپنے وجود میں سمیٹ لے مگر
اس کے باوجود بھی اس کے حصے میں
محبت کی ایک مٹھی دھوپ بھی نہیں آپائی

# موسم کا گریز

ہم سجا نہیں سکتے
بے رنگ اور بے خوشبو پھولوں کو
اپنے کمرے کے گل دانوں میں

اور
بے رونق گلابوں کو
اپنے بٹن ہولوں میں
تو پھر
ہم اس موسم بہار کا کیا کریں
جو ہماری رگوں کے لہو میں

اور
دلوں کی دھڑکنوں میں
شامل ہونے سے
برابر گریز کرتا چلا جا رہا ہے

# تاسف

اچھے دن الھڑ بچوں کی مانند
کھیل کود میں بیت گئے
اب تو پاس ہیں
بس خون تھوکتے ہوئے لاغر لمحے
سارے دلکش منصوبے
خواب کی مانند
روپوش ہو گئے ہیں
جانے کن غاروں میں کھو گئے ہیں
کمرے میں دم توڑتے ہوئے تصورات فردا
اور
چوکھٹ پر پڑا ہوا بے جان سا ایک یقین
سائے ساکت
پتے حرکت سے عاری
ہوا خاموش
نغمۂ زندگی کی کتاب کے سب اوراق
نگارشوں سے محروم
سادہ اور بالکل سادہ
کیا اب بھی وہ منزل ہم پالیں گے ؟
جس کی خاطر
ازل سے جاری ہے یہ سفر

# تعلق

جواب ملیں بھی
تو
پہچاننے میں زحمت ہو
کریں جو بات
تو ایسے
کہ
یہ گماں ہو جائے
کہ
ہم میں تم میں
کوئی
رسم و راہ تھی ہی نہیں

# شہر خموشاں

میری آنکھوں میں
اک شہر ہے
جو
شب و روز کی
دیو قامت فصیلوں میں جکڑا ہوا
اور سہما ہوا
کوئی روزن نہ در
ان فصیلوں کے اندر
صلیبوں کی فصلیں لہکتی ہوئی
گل بریدہ سروں کے
مہکتے ہوئے
بے کسی
نامرادی
اداسی کی دھوپوں میں
تپتے ہوئے
دور تک
کوئی تازہ ہوا کا نہ جھونکا
نہ نغمہ
نہ بچوں کی کلکاریاں
مسجدوں کی اذانیں بھی چپ
مندروں کی سبھی گھنٹیاں بھی سکوت آشنا
یہ نگر ہے
کہ
شہر خموشاں

# مایوسی

دور تک
پھیلے ہوئے بے صوت
صحرا میں
مرے احساس کے

یہ
زخم خوردہ مضمحل

پیاسے پرندے
کس طرح
ان وسعتوں کو ناپ کر
افلاک کی اونچی چھتوں کو
چھو سکیں گے
میں یہی

چپ چاپ
ہر پل سوچتا ہوں
اور
خالی خالی آنکھوں سے
خلاؤں میں مسلسل دیکھتا ہوں

# تہذیبی ارتقاء

جب بھی
میں
شہر کی چمکدار
شاہراہوں سے گزر کر
گاؤں کی
پر سکوت پگڈنڈیوں سے ہوتا ہوا
تنہائی اور ویرانی کے آسیب سے
گھرے ہوئے
پشتینی مکان کی دہلیز پر پہنچا ہوں
جسے تعمیر کرنے کی
جد و جہد میں
میری ماں وقت سے پہلے
بوڑھی ہو گئی
اور

میرے باپ کی کمر نے
خمیدگی اختیار کر لی
تو
اسی مٹی اور گارے کے بنے ہوئے
بوسیدہ مکان کے
کمروں کی کھونٹیوں پر

میرے
کوٹ
پتلون

اور
ٹائی
ٹنگنے سے
مسلسل انکار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں

جب کہ
میرا وجود
اسی مکان کی ایک مٹھی خاک ہے
آخر یہ کس عہد گذشتہ کا
المیہ ہے

# لمحوں کا کرب

دل افسردہ کی
آرزوؤں کے
رمیدہ لمحو
تمہاری بے کیفی کے قافلے
رفتہ رفتہ حریم جاں سے گزر رہے ہیں
اور
تمہیں پتہ ہے
کہ
آسماں کی بلندیوں پہ پہنچ کے انسان
مردہ ہو چکا ہے
تو پھر
کشید جاں سے
نکال کر
کوئی حسین منظر
قطرہ قطرہ
حیات کی تشنگی کے
اس کاسۂ تہی میں ڈالو
تاکہ ثبات کی خاطر
بھٹکے ہوئے بے روح جسم کو
کچھ قرار آجائے

# انتشار

میرا احساس ڈھونڈتا ہے
تمہارے لمس کی آگ
تمہارے ہونٹوں کی حرارت
تمہارے لہجے کی حلاوت
تمہاری آنکھوں کا نور
لیکن
جیسے ساری دنیا
افق تا بہ افق
لامحدود تاریکیوں کے عالم میں
نظروں کے بوجھ سے دب گئی ہے
اور
صرف پرچھائیوں کا بوجھ اٹھائے پھرتی ہیں
بے تاب ہوائیں

# بے بسی

وہ
ابھی ابھی
لامحدود سمندر میں
ایک قطرے کی مانند تھا
اس نے چاہا
پانی کے
اس لامتناہی سلسلے سے
خود کو آزاد کرتا ہوا
اپنے وجود کی
ایک الگ شناخت قائم کرے
تمام خوشبوؤں کے درمیان
سب سے الگ
ایک منفرد خوشبو کی طرح
لیکن
ایک غیر دانش مند بے بس کی طرح
اسے پھر واپس آنا پڑا
لہروں کے بے پناہ جنگل میں
جہاں پہنچتے ہی
اس کے چہرے کی سلوٹیں
صاف ہو گئیں
طوفان کے ایک ہی ریلے میں
کسی ان کہے گیت کے
چھوٹے چھوٹے
مصرعوں کی طرح

# انتظار

ریگ ساحل پہ کھڑا سوچ رہا ہے کوئی
زندگی رقص کناں آج دیاروں میں نہیں
گل نہیں، شاخ نہیں ، شور عنادل بھی نہیں
کچھ نہیں ہے دل بے تاب نہیں کچھ بھی نہیں

گل ابھی ریت کی مانند بکھر جائیں گے
ٹہنیاں ٹوٹ کے حیران و پریشاں ہوں گی
روشنی ہوگی فقط برق کے لہرانے سے

برق کی لہر ہو طوفاں ہو کہ ہو بادسموم
ہم کو ہر جور کا خوگر ابھی ہونا ہوگا
منتشر ذروں کا انجام یہی ہوتا ہے
چند روز اور ٹھہر اے دل بے تاب ابھی

# چراغ رہ گزر

## احتشام حسین صاحب کے انتقال پر

میں اپنے آپ کو لیکر کہاں کہاں نہ پھرا
ہزار جلتے ہوئے دیپ تو ملے مجھ کو
وہ روشنی کا منارہ مگر کہیں نہ ملا
وہ روشنی کا منارہ ، فیوض کا چشمہ
نہ ہوتا جلوہ فگن میری زندگی پہ اگر
مجھے گرفت میں لیتی فضائے تیرہ و تار
وہی چراغ سر رہ گذر تھا کام آیا

رفیق و مونس و ہمدم پکاریئے جس کو
حدود فہم سے آگے تھا جس کا مہر و خلوص
ہر ایک حال میں ہم سب کا غم گسار رہا
ہزار جلتے ہوئے دیپ اب بھی باقی ہیں
نہ جانے کیوں مجھے محسوس ایسا ہوتا ہے
کہ اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی
وفا شعار بہاروں میں زندگی نہ رہی

# تشنہ پیکر

نہ جانے کتنی صبیحائیں، کتنی شہلائیں
مثال موج صبا گاؤں گاؤں شہر بہ شہر
مری تلاش، مری آرزو کو ساتھ لیئے
مرے خیال کے پیکر سے کھیلتی ہوں گی
عجب لطیف سے کچھ خواب بن رہی ہوں گی

مگر میں فکر کے اندھے کنویں میں غلطیدہ
مثال یوسف کنعاں اداس لرزیدہ
کثافتوں میں گھرا سازشوں کا بار لیئے
تصورات کے صحرا کو ناپا کرتا ہوں !

فضا میں تیرتے سورج کی تیز تر کرنیں
مرے وجود کو ہر زاویئے سے ڈستی ہیں
میں شہر تشنہ لبی میں بہ حال تشنہ لبی
سمندروں میں فرشتہ صفت خدا صورت
اذیتوں کی پر اسراریت بدن پہ رکھے
قدم قدم پہ خود اپنے کو ڈھونڈا کرتا ہوں
قدم قدم پہ مگر یہ بھی سوچا کرتا ہوں
نہ جانے کتنی صبیحائیں، کتنی شہلائیں
مثال موج صبا گاؤں گاؤں شہر بہ شہر
مری تلاش، مری آرزو کو ساتھ لیئے
مرے خیال کے پیکر سے کھیلتی ہوں گی
عجب لطیف سے کچھ خواب بن رہی ہوں گی

# جستجو

کب سے قید ہوں
چلتے پھرتے زنداں میں
کانٹوں کی ردا اوڑھے ہوئے
پتھروں کا پیرہن پہنے ہوئے
کب سے ڈھونڈھ رہا ہوں
دیس دیس
جنگل جنگل
صحرا صحرا
خودشناسی کی بے پناہ دولت
خود کو پا لینے کی یہ خواہش
نہ جانے کب تک اجاگر رہے گی
اور لے جائے گی
سفر در سفر
منزل بہ منزل
نہ جانے
کہاں کہاں

# جواب کی تلاش

جب بھی
میرے ذہن کے
کسی گوشے میں
کوئی نقش ابھرتا ہے
تو اس کی چمک
میری آنکھوں میں بھی لہرانے لگتی ہے
اور
میرے احباب
مجھ سے
وہ سوال کر بیٹھتے ہیں
جس کے جواب میں
میری ایک چپ
مجھے
اپنے وجود کے پنجرے میں
پھڑ پھڑانے پر مجبور کر دیتی ہے
اور میں
جواب کی تلاش میں
سڑکوں اور گلیوں کو خاموشی سے ناپتا ہوا
شام ہوتے ہی
گھر لوٹ آتا ہوں
تھکے ہارے پرندے کی طرح

# ہمارے خواب

خواب دیکھنا
ہماری فطرت کا حصہ ہے
ہماری آنکھیں بھی خواب دیکھتی ہیں
مگر
نرم بستر پر نہیں
بلکہ
ہمارے سارے خواب
جاگتی ہوئی آنکھوں کے خواب ہیں
ان خوابوں میں
پھولوں کی دھیمی خوشبو
موج صبا کی بے قراری
اور
جگنوؤں کی جلتی بجھتی روشنی ہے
جو برابر جنم لیتی اور دم توڑتی رہتی ہے
کیوں کہ
ہمارے خواب
کسی نوزائدہ بچے کی آنکھوں کے خواب ہیں
جسے
لہو لہان مناظر دیکھنے کی
ابھی عادت نہیں ہے

# وجود معتبر

ہم
موسموں کی عنایتوں پر
زندہ رہنے والے
درخت نہیں ہیں
بلکہ ہماری جڑیں
کسی درخت کی بلندی سے بھی زیادہ گہرائی تک
اس زمین کے نیچے پھیلی ہوئی ہیں
ہم
نہ تو وہ درخت ہیں
جو بادلوں کی گرج سے لرز اٹھتا ہے
یا
ہلکی سی بارش کے سہارے پر
اپنے وجود میں
زندہ رہنے کا حوصلہ باقی رکھتا ہے
اور
جس کی آنکھیں
بارش کی ایک ننھی سی بوند کے انتظار میں
آسمان پر جمی رہتی ہیں
ہم

## وہ درخت بھی نہیں

جو
پر کیف ہواؤں کے فریب میں آکر
سمجھنے لگتا ہے کہ ان ہواؤں پر ہی
اس کی سانسوں کا دارومدار ہے

یہ موسم
یہ بادل
یہ ہوائیں
سب تبدیلیوں کے محکوم ہیں
کبھی ان کے جسم پر
خوش نما لباس ہوتا ہے
کبھی چیتھڑے
کبھی یہ چیخنے، چنگھاڑنے لگتے ہیں
کبھی اپنے چہرے سیاہی میں ڈھک لیتے ہیں
کبھی یہ پر کیف ہوتے ہیں
تو کبھی غضبناک

اور ہم
ایک روشنی، شادابی
اور جستجو کا مسلسل سفر ہیں
جو ازل سے ابھی تک جاری ہے
اور ابد تک جاری رہے گا

# تغیر

موسموں
سے
زندگی کا
یہ شکستہ ربط
بے حس انگلیاں
دور تک پھیلا سرابوں کی طرح
آب رواں
خواہشوں کے دشت میں
جیسے کہ سب کچھ کھو گیا ہے
ذات کی کالی قبا نے
سب کو
جیسے ڈھک لیا ہے

# دسترس

خاک پر سوئے ہوئے ہیں
برگ و بار
موسموں کی چادریں اوڑھے ہوئے
چہل قدمی کر رہے ہیں
سانپ، عفریت، اژدہے
اور
یہ سارا عذاب
ڈھل رہا ہے
میری پیشانی کی جانب
پھر بھی
میری دسترس میں

آج بھی ہے
ایک مٹھی دھوپ
پاگل آسماں

# گریز

روح کے اندھیروں کو
خارجی اجالے
اب نگل نہیں سکتے
میں نے اپنی آنکھوں کی
آب و تاب کو لے کر
تیرگی میں بسنے کی
آرزو کی تھی
اور آج
گنبدِ بے در میں خود اسیر بیٹھا ہوں
ایک ایک کرن اجالوں کی
پھینک کر
بجلیوں کے کھمبوں پر

# ثبات

یہ زندگی
جو لذیذ زہر کا پیالہ ہے
ہم بصد خلوص و نشاط
پی رہے ہیں
اور
جی رہے ہیں

اسی طرح
جیسے صدیوں پہلے
کسی نے
ثبات کی خاطر
جام زہراب پی لیا تھا

# زندگی

میں اپنی بے کیف خاموشی کو
دھوئیں میں اڑا رہا ہوں
خود کو مٹا رہا ہوں
یا
آہستہ آہستہ ایک ایک کش لے کر
ماضیٔ گم شدہ سے
بچھڑی ہوئی زندگی کو
بلا رہا ہوں

# تجدید خیال

جب کبھی گاؤں کی چوپال میں
تیرگی کا سینہ چیرتی ہوئی اٹھے گی
کسی ننھے سے دیئے کی سنہری لو
جب کبھی
احساس کے آنگن میں
تعمیر کے بعد
بکھر جائے گا مٹی کا کوئی گھروندہ

اور

جب کبھی
کوئی رات
پیار سے چپکے چپکے
چاند تاروں کو سنائے گی
پریوں کی کہانی
تو
کچھ اور مری روح کے نزدیک آجائے گا کوئی
اپنے ساتھ
بھولا، بھٹکا اور کھویا ہوا
شوخ رنگوں میں ڈوبا ہوا
بچپن لے کر

# محرومی

جیسے تاریکی میں سائے کھو جاتے ہیں
اسی طرح
مجھے یقین ہے
کہ
تم میرے نزدیک
اور بہت نزدیک
موجود ہو
لیکن
دکھائی نہیں دیتے
میں
اس تاریک ماحول میں
پرچھائیوں کو
چھوتا ہوں
لیکن اس عمل میں
میرے ہاتھ آتا ہے
صرف ٹھنڈی راکھ کا ڈھیر

# سفر

ناہموار زمین پر
چلتے چلتے
جب بھی بیٹھتا ہوں
مٹھی بھر ستانے کے لئے
تو لگتا ہے
کہ
ماضی کے گہرے اندھیرے
اور مستقبل کے گھنے
کہرے کے درمیان
دونوں کی کشش
مجھے منجمد کر دینے پر تلی ہوئی ہے
لیکن
دیکھتے ہی دیکھتے
ساری زنجیریں بکھر جاتی ہیں
میں اپنی قید سے نکل کر
خود بن جاتا ہوں ایک چمکدار راستہ
جو
منزل تک تو جاتا ہے
لیکن
مجھے
میری جگہ پر چھوڑ جاتا ہے

# امانت

میں
سالہا سال سے
ایک چھوٹی سی
پوشیدہ آرزو کا امین ہوں
میرا ایک مختصر سا خوبصورت لکڑی کا مکان
آنگن میں
دانہ چگتی ہوئی مرغیاں
کچھ پالتو جانور
گائیں، بھینسیں، بکریاں
اور
چاروں سمت سبز رنگ میں لپٹے ہوئے کھیت ہی کھیت
میٹھے پانی سے لبریز
گہرے کنویں
اور
انھیں کھیتوں کے درمیان سے ہو کر
گزرتی ہوئی ایک کہکشاں جیسی پگڈنڈی
سرنگوں درختوں کے
آداب قبول کرتی ہوئی
لیکن
نہیں کچھ بھی نہیں
میں تو ابھی تک
اسی چھوٹی سی پوشیدہ آرزو کا امین ہوں

# زرد موسم

اب مجھ سے
برداشت نہیں ہوتے
ان درختوں کے گرم سائے
جب کہ
بے حد دلکش ہیں یہ درخت
انھیں مسلسل غور سے دیکھتے دیکھتے
کبھی کبھی محسوس ہوتا ہے
کہ
میں خود بھی ایک درخت ہو گیا ہوں
اور
استادہ ہوں
ایک بے ترتیب ہجوم میں
لیکن
ایسا کیوں ہوتا ہے
کہ
ان لمحات میں
ہر موسم بہار
مکمل طور پر بے معنی ہو جاتا ہے
اور تمام
خشک و پیلی شاخیں
تبدیل ہو جاتی ہیں
سہاروں اور عقائد کے
مردہ جسم میں

# مجھے آزادی مطلوب ہے

نہاں خانے میں
اپنی ذات کے
میں روز و شب مصروف محنت ہوں
نہ زندہ ہوں نہ مردہ
نہ جانے کتنے روزن
کتنے در
تعمیر کرتا ہوں
کہ دیواریں بناتا ہوں
نئے چہروں کی تصویروں سے گھر آباد کرتا ہوں
مگر
کوئی بھی ایسا جادوئی لمحہ نہیں آتا
مجھے جو زندہ کردے یا
انھیں دیواروں میں چنوادے
مرے اندر فضا ساکت ہی رہتی ہے

# تجدید

دور تک
پھیلے
زندگی کے اس دشت میں
ہر جگہ
اور ہر لمحہ
لہراتی ہوئی دکھائی دیتی ہے
تپتی ریت کی نقرئی چادر
جیسے
کسی افسوں کو
لپیٹ کر رکھا گیا ہو
چاندی کے اوراق میں
حدِ نظر تک
تمام ماحول
بے حس ہو کر
تبدیل ہو گیا ہے
سخت بر فیلی چٹانوں میں
ہماری فکر کی
حدوں سے بھی آگے

پھیلا ہوا ہے ایک سناٹا
لیکن
سچائیوں کی دھڑکنیں پھر بھی
سنائی دیتی ہیں

اور
جستجو میں ہیں
کسی طاقتور دھماکے کی
جو اس خاموشی کو ریزہ ریزہ کر سکے

اور
پہاڑوں کو
آتش فشانی دے کر

نکلتے ہوئے لاوے کو
اپنے لمس سے
تبدیل کر دے
تہہ در تہہ رواں دواں میٹھے پانی کے
سر چشمے میں

# کچھ سوالات

اس موسم کی ہوائیں
اس خوشبو کی تھکان ہے
جو گزشتہ دنوں
ہم سے جدا ہو گئی تھی
اب اس کی
اس اداس واپسی پر
ہم پوچھنا چاہتے ہیں
کچھ سوال
کہاں روپوش ہو گئیں گزشتہ موسم کی سوغاتیں
خوشگوار زندگی کے تصورات
جو ہماری خزاں رسیدہ حیات کے
سیاق و سباق میں بھی
لمحہ لمحہ انتظار کا
حاصل بنے رہے
لیکن
ہمارے ان سوالوں کے جواب میں

ایک
علاحدگی پسندانہ رویہ اختیار کر کے
وقت خاموش رہ کر گزر جاتا ہے
کیوں کہ

اس کی نگاہوں میں
ہر موسم
اندھا ہے
اور
غالبًا
گونگا، بہرا بھی
یہی وجہ ہے کہ
وہ
اپنے سے باہر
کچھ بھی دیکھ پانے سے بچ جاتا ہے
اور اس کا
گونگا اور بہرا پن
تمام آوازوں کے خلاف
ایک مضبوط ڈھال بن جاتا ہے

# سناٹا کب چیخے گا

یہ سناٹا عجب ہے
کسی بے تاب خوشبو کی طرح
پیوست ہوتا جارہا ہے
میرے اندر
کبھی افکار پر یلغار کرتا ہے
کبھی احساس کے شعلے جگاتا ہے
کبھی جذبات کو مہمیز کرتا ہے
خیالوں کے بہت سے جال بنتا ہے
یہ رفتہ رفتہ مجھ میں

بستیاں اپنی
بساتا جارہا ہے
یہ میری گھات میں بیٹھا ہے
قرنوں سے
میں اس کے
عنکبوتی چنگلوں سے

اب نکلنا چاہتا ہوں
کوئی ساعت نہیں خالی
میں سناٹوں کی بستی سے
کہاں جاؤں

# آخری دن نزدیک ہے

یہ سوتے جاگتے لمحات
مجھے اب حالت احساس میں رہنے نہیں دیتے
ہر اک پل
بوجھ لگتا ہے
یہ جسم اپنا
مجھے تنہائیوں کے ہر سفر سے
خوف آتا ہے

مجھے یہ چاندنی بھی اب
بہت اچھی نہیں لگتی
کسی چہرے پہ
وہ سرخی شفق جیسی
نہیں ملتی
مجھے معصوم بچوں کا ہمکنا اور
اچھلنا، کودنا

[illegible] لینا
بھی سب بے کیف لگتا ہے
کہ
اب اک دوسرے کے غم میں بھی
آنسو بہانا
بھول بیٹھے ہیں
کہ اب تو صرف
بارودی دھماکوں
ایٹمی خطروں کی باتوں میں
بہت سامان سرشاری ہے کیوں آخر؟
یہ کس منزل کی جانب گامزن ہیں سب

# اب سوچنا بند کر دیں

کبوتر
فاختائیں
بلبلیں

چپ چپ۔۔۔۔۔
اداس اور خوف سے

لرزیدہ
اب اپنی اڑانیں کس طرف جاری رکھیں وہ۔۔۔۔
ہر طرف ہے جو ہری خطروں کا منظر۔۔۔۔
نہ جانے کس گھڑی دنیا میں کیا سے کیا
عمل ہو جائے۔۔۔۔
یہ سب سوچتا ہے کون دنیا میں۔۔۔۔
تباہی سوچنے والے کبھی اتنا بھی سوچیں
گر
یہ دنیا اک دفعہ اجڑی

تو پھر آباد ہو گی یا نہیں ہو گی؟

# بے خبری

زندگی کے ہزاروں رخ ہیں
مگر ہماری خاطر
کہیں سایہ نہ کوئی جائے قیام
دور تک غم کی دھوپ ہی دھوپ
اور مسائل کی گرم گرم ہوا
یہ جہاں تو پناہ گاہ نہیں
ہر طرف اک مہیب سناٹا
سرحدیں بھی ہیں اور پہرے بھی
سانسیں ہیں عمر قید میں جیسے
زندگی سے ہارنا
آدمی کا مقدر ہے
زندگی کا سفر رواں ہے
ایک دوسرے سفر کی طرف
اور ہم زندگی سے باخبر تو ہیں
لیکن یہ نہیں جانتے
موت اس کا دوسرا نام ہے
زندگی جس سے باخبر ہے
اور ہم بے خبر ------

# پیش بینی

چھوٹی مچھلیاں
سراسیمہ
حیران
اور فکر مند ہیں
گہرائیوں میں
یلغار مسلسل جاری ہے
چند بڑی مچھلیوں کی
یہ کسی بغاوت
یا جور و ظلم کا پیش خیمہ نہ ہو

کاش
ایسا بھی انقلاب آئے
دریا اپنا رخ بدل کر
چھوٹی مچھلیوں کو ساتھ لے جائے
اور
بڑی مچھلیاں ریت پر نظر آئیں

# خود شناسی

مقید ہیں
یہاں سب ذات میں اپنی
فضائے شہر خموشاں اب
انسان کے بدن میں اپنے گھر
تعمیر کرتی ہے
میں تم اور سب
سفر میں ہیں
کسی تاریک منزل کی طرف
آگے کوئی راستہ
نہ لوٹ آنے کی صورت
یہ خود کو ڈھونڈتے ہم
اب کہاں پہنچے

# انتظار

نشیب جاں میں
اترتے لمحو!
ابھی تلک میں
گزشتہ وعدوں کو پورا کرنے کی ایسی
بے چینیوں کے گہرے
حصار میں ہوں

کہ
خوش جمالوں کی
اک
ادائے نیاز پرور
کا منتظر ہوں
جو ابر باراں کی طرح
مجھ پر
ٹھہر کے برسے تو
خوب برسے

# بے چہرگی کا دکھ

میرے
احساس کے
آئینے میں
کوئی تصویر
نہ پیکر
نہ خال و خد
نہ نگار و نقش
صرف
اپنی ذات کا
ساکت و سالم ہیولیٰ
جو دور تک دیکھتا ہی نہیں
کچھ سوچتا ہی نہیں
بے خیالی میں پڑا ہے
جیسے جینا بھی کوئی مسئلہ ہے
یہ کیا ہے!

# وجود کی تقسیم

مرے بدن کے
لہو کی گرمی
ہے برف آسا
خیال و احساس
اتر رہے ہیں
گزر رہے ہیں
بلندیوں سے

پگھل کے مانند آبشار اب ہر ایک لمحہ
نئے مکاں کی
نئے زماں کی
تلاش پیہم
میں مبتلا ہیں
سفر ارادہ
کا ابتلا ہے
مگر میں اب تک وہیں کھڑا ہوں

# عدم تکمیلیت : تکمیلیت

انسان کی سوچوں پر
اب پہرے بٹھا دیے گئے ہیں
اپنی ترقی کی منزلیں طے کرنے کے باوجود
وہ کتنا تنہا ہو کر رہ گیا ہے
زمین کتنی سمٹ چکی ہے

تہذیب
اخلاق
اقدار
انسانیت
جیسے الفاظ بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں

یہ دنیا
نئی دنیا کی جانب رواں ہے اس کا ارتقائی سفر
تکمیل کو پہنچے گا
لیکن
فنا کی
ایک خلیج عبور کرنے کے بعد

# شہر بے چراغ میں

زمیں
محور پہ اپنے گھومتی ہے
ہوا
پر کیف خوابوں کو
اڑا کر لے گئی ہے
دھواں
آلودگی پھیلا رہا ہے
سبھی موسم
لباس جبر و سفا کی ہیں پہنے ہوئے
جہاں دیکھو
وہیں آزردگی، افسردگی ہے
سبھی سمٹے ہوئے ہیں
اپنے اندر
سکوت چشم ولب کا عالم ہو ہے
نہ کوئی

چاند، سورج
تارہ، نغمہ
آہو، جگنو
خوشبو، جادو
چراغوں کی لویں
کتری ہوئی ہیں
ہم کس شہر بے چراغ میں
جی رہے ہیں

# خواب سب کے لئے ھوتا ھے

میں نے مانا کہ ترے خواب
نہیں میرے لیے
میں ترے واسطے
کچھ خواب تو بن سکتا ہوں
آسمانوں کی طرح اونچے
ستاروں کی طرح دلکش
چاند، سورج کی طرح روشن
مخمل کی طرح نرم
شیشے کی طرح نازک اور شفاف

یہ الگ بات
کہ خواب سچے نہیں ہوتے
لیکن
خواب دیکھنے کا حق سبھی کو ہے
تجھے بھی ہے
اور مجھے بھی

کہ خوابوں میں زندہ رہنا
گناہ نہیں کوئی

# سطحِ زیریں

خواب
آرزو
خواہش
تمنا
جستجو
تنہائی
سارے تصورات
طاقِ نسیاں میں رکھی ہوئی

کسی بوسیدہ کتاب کے اوراق
کی طرح
ہر سمت اڑتے پھر رہے ہیں
نہ کوئی نغمہ
نہ صدا
نہ کوئی نوا
نہ ادا

بس ہر طرف خلاء ہی خلاء ہے
اس خالی پن میں
موسم بے کیف لگتا ہے
اور
زندگی بے حرکت
کیوں کہ
یہ خالی پن
ہمارے اندر
بہت گہرائی میں
اتر چکا ہے

# وجود کا ادراک

میں
جب بھی
بدزبان
بدذائقہ
سرد آسا
لمحوں میں
جذبات واحساسات کی سرحدوں میں
داخل ہوا ہوں
تو
درون جسم و جاں
بے شمار نشتر لگے ہیں
وجدان پر
شعلے برسے ہیں
اور
افکار
دھواں دھواں ہو گئے ہیں
مگر
ان لمحوں کو قید کرنے کی ساری کوشش
جب ناکام ہوئی ہے
تو میں نے
سفید کاغذ پر خود کو ہی بکھرا دیا ہے
جہاں میں موجود ہوں لیکن
ورق سادہ نظر آتا ہے

# رہائی

تمھیں
اداس دیکھ کر
دل پر ایک چوٹ سی
لگتی
ہے
تمہاری یہ اداسی
دھیرے دھیرے
میرے اندر اتر جاتی ہے
اور مجھے
مسلسل چھیلتی رہتی ہے
مگر تم

مجھے اس طرح
حوصلہ دیتی ہو
کہ
میں افسردگی کے حصار سے
باہر نکل آتا ہوں
اور
ہر طرف
دور تک
ایک شفق رنگ
دھوپ
پھیل جاتی ہے

## سرمایہ

کبھی
بے کیفی اور بے چینی میں
سفر پر نکلو
تو
گھر سے دور ہونے کا
احساس
ہر لحظہ نئے ولولے جگاتا ہے
اور نئی خواہش کو آئینہ دکھاتا ہے
بکھرتے
ٹوٹتے
لمحوں
مجبوری
اور
مہجوری کے عالم میں
بس یہی چیز کام آتی ہے

# خود کلامی

کون پوچھے گا ستاروں کا جہاں کیسا ہے ؟
کون افسردگیٔ دل کا مداوا کرے
نکہت کوثر و تسنیم لیئے آئے گا
کون پوچھے گا شب غم کی کہانی کیا ہے
کون حسرت کے سیہ خانے میں میری خاطر
دل کے بے نور شبستانوں کو مہکائے گا

زندگی، میں کہ ترا زہر پیۓ بیٹھا ہوں
آ کہ غم کی تجھے اک اور امانت دے دوں
تیرگی زلف کی رخسار کی رنگت دے دوں
خون دل سونپ دوں تخلیق کی دولت دے دوں

یورشیں اتنی بڑھیں غم کی، مرے دل نے کہا
آؤ پھر ڈھونڈیں کہیں چل کے مسیحا کوئی
مل ہی جائے گا کہیں راہ میں اپنا کوئی

اب مرے ذہن کے سنسان دریچوں کے قریب
کوئی سایہ ہی چلے کوئی تو پایل چھنکے
ساز کی دھن پہ کسی گیت کا گلشن مہکے

میرے خوابوں کی پگھلتی ہوئی تنہائی میں
ایک موہوم سی تصویر ابھر آئی ہے
سوچتا ہوں کہ تجھے نذر کروں یا نہ کروں
میری ہر فکر تری ذات سے وابستہ ہے
میں نے ہر شعر میں یادوں کو سجا رکھا ہے

دوستو راز غم عشق کو رسوا نہ کرو
میری یادوں کے چمن زار کو تنہا نہ کرو

# اندیشے

آ گئے لوٹ کے پھر شام جدائی کے قدم
میرے کمرے کی اداسی کا وہی عالم ہے
چوڑیوں کی ہے کھنک اور نہ پازیب کا راگ
نہ کہیں نکہت گیسو ہے نہ خوشبوئے بدن
زندگی باب الم کھول چکی ہے دل پر
بحر آلام میں ڈوبی ہوئی دنیائے خیال
جس میں ہر سمت ہی پر ہول سا سناٹا ہے
اس خرابے میں ٹھہرتے ہوئے جی ڈرتا ہے

کب سے بستر پہ پڑا سینے کے زخموں سے نڈھال
سوچتا ہوں کہ رخِ دوست کے رنگین خطوط
ذہن میں قوسِ قزح بن کے ہی لہرا جاتے
سوچتا ہوں کہ کوئی موجِ صبا، رنگِ حنا
ساتھ لے آئے تو زخموں کا مداوا ہو جائے
کیا یہ ممکن ہے کہ اس درد کی شدت میں کوئی
چند لمحوں کے لیے میرا مسیحا ہو جائے

کس کے آنے کی امیدوں میں ہے خلوت اپنی
رات بیدار ہوئی جاگ اٹھا ہے ماحول
بند تھے سارے ہی دروازے مگر جانے کیوں
آپ ہی آپ کھلے جاتے ہیں چپکے چپکے

ہاں مگر کوئی یہاں آئے گا ہمدم بن کر
دل کے رستے ہوئے ہر زخم کا مرہم بن کر

# آگاہی
(۶ / دسمبر ۹۲ء کے واقعہ سے متاثر ہو کر)

اے منکران عہد نو
تم نے
ایک مسجد شہید کر کے
یہ سمجھ لیا ہے
کہ تمہاری سرکشی نے
خدا کے وجود کو مٹا دیا
مگر

یہ عبادت گاہیں
تو صرف ایک علامت ہیں
اس کی موجودگی کی
خدا ہمیشہ رہا ہے
ہمیشہ رہے گا
عبادت گاہیں
رہیں یا نہ رہیں
ان کے مسمار ہونے سے
اس کے وجود پر
کوئی اثر نہیں پڑتا
وہ تو نور ہے
سچائی ہے
یقیں ہے
جو دلوں میں جاگزیں ہے
وہ کائنات میں
ہر سمت

ہر مقام پر
موجود ہے
وہ تصورات کی وسعتوں میں ہے
قلم اور گویائی میں ہے
آفاق کی پہنائی میں ہے
اسے تم کیا مٹاؤ گے
وہ انمٹ ہے
وہ لامحدود اور بیکراں ہے
ہمت ہو تو پہلے مٹاؤ
اس کی نشانیوں کو
زمین و آسمان کو
چاند سورج اور ستاروں کو
وقت کی گردشوں کو
موسموں کے تغیرات کو
بارش
اور ہواؤں کو
تم سے پہلے بھی
تم جیسے بہت سے لوگ
اپنی فرعونیت کا مظاہرہ کر چکے ہیں
لیکن
وہ خود فنا ہو کر رہ گئے
بس
خدا کے قہر
اور اس کے غیظ و غضب سے ڈرو
تمہارا ابھی آخری وقت تم سے بہت قریب ہے

# سعیِ لا حاصل
## (بابری مسجد کی شہادت پر)

میری نگاہیں
مسلسل دیکھ رہی ہیں
کہ
وحشیوں کی جماعتیں
بڑی بے شرمی کے ساتھ
اس عمارت کو مسمار کرنے آ پہنچی ہیں
جو سچائی کا مسکن ہے
ان کے ہاتھوں میں
پھاوڑے، کدال اور بیلچے ہیں
کچھ تلواریں اور خنجر فضا میں لہرا رہے ہیں
اور
ان جماعتوں کے افراد
مدہوشی کے عالم میں
گا رہے ہیں
چلا رہے ہیں
نعرے لگا رہے ہیں
ان کی باتیں
ان کا گیت
ان کا چیخنا، چلانا
فہم و سماعت کو زخمی کر رہا ہے
اس ہجوم کا ہر رکن
ایک دوسرے پر
سبقت لے جانے کا آرزو مند ہے

ان کا مقصد
ان کا نصب العین
صرف ایک سچ کو جھوٹ میں تبدیل کرنا ہے
کیوں کہ
ان کے خیال میں
یہ دور کسی بھی سچ کو برداشت کرنے
کے لائق نہیں

ہے
اور
اس دور میں سچ کی حیثیت
جھوٹ سے بہت چھوٹی اور کم تر ہے
جھوٹ کے ساتھ
جماعتیں ہیں
اکثریت ہے
ہجوم ہے
اور طاقت ہے
جس کے سہارے
یہ وحشی
عدلیہ، انصاف
اور دستور کو طاق پر رکھ کر

سچائی کی عمارت کو مسمار کر کے
جھوٹ کے سر پہ فتح یابی کا تاج رکھنا چاہتے ہیں

# پھولوں کا قتل عام

ادائے حسن بہاراں کو بیچنے والو
چمن کا حسن یوں ہی برقرار رہنے دو
سکوں کی دولت بیدار لوٹنے والو
یہ چار دن کا ہے دور بہار رہنے دو

بھری بہار میں تم نے جو ظلم ڈھائے ہیں
چمن میں اس کی بدولت ہے کتنی ویرانی
قریب آؤ تو چہروں کا حزن دکھلاؤں
نہیں بیان کے لائق یہ چاک دامانی

کلی کا ننھا سا دل مضطرب نہ ہو کیوں کر
پیام موت جب آئے حیات سے پہلے
ذرا بتاؤ یہ دستور کتنا الٹا ہے
کہ ہو جفا نگہہ التفات سے پہلے

گلوں کے لب پہ لگی ہے وہ مہر خاموشی
کہ انتہائے ستم بھی وفا نما ہوجائے
چمن فروش تبسم کا راز کیا جانیں
بہار لالہ و گل لاکھ لب کشا ہوجائے

ہزار امن کے پیغام دو تو کیا حاصل
تمہارے ہاتھ کی تلوار چھپ نہیں سکتی
نقاب ظلم پہ حسن وفا کی کیوں ڈالو

کہ اس سے خواہش پندار چھپ نہیں سکتی
بدل کے امن پسندوں کا بھیس گلشن میں
متاع حسن کو بدنام کرنے آئے ہو
تمہارے چہرے یہ کہتے ہیں تم کہو نہ کہو
کہ تم بہار کو نیلام کرنے آئے ہو

نوائے جشن بہاراں بھی اک ذرا سن لو
یہ گل ہی جان بہاراں ہیں احترام کرو
روش روش سے یہی اک صدا ابھرتی ہے
نہ اپنے ہاتھوں سے پھولوں کا قتل عام کرو

گلوں کے قتل سے دامن اگر ہوا رنگیں
تو خوں بہا کا تقاضا بدل نہیں سکتا
چمن سے دور بہاراں جو ہو گیا رخصت
تمہارے نام کا سکہ بھی چل نہیں سکتا

خزاں کا دور پئے انتقام آئے گا
وفا نمائی کے جوہر نہ کام آئیں گے
سزائے دار پئے خوں بہا جو ٹھہرے گی
تو سب سے پہلے تمہارے ہی نام آئیں گے

# امید فردا

مجھے بتاؤ کدھر ہے شمیم گل کا دیار؟
یہ کیسا جشن بہاراں منانے آئے ہو
ابھی تو چاک ہے دامان آرزو کیا کیا
یہ کس بہار کے نغمے سنانے آئے ہو

تڑپ رہا ہے ہر اک دل کسی کو چین نہیں
ہر ایک غنچہ پہ افسردگی سی چھائی ہے
سسک رہے ہیں گلستاں میں نغمہائے نشاط
مجھے بتاؤ! یہ کیسی بہار آئی ہے

مزاج تیرگیٔ وقت ہے وہی کہ ابھی،
بجائے نور فضا پر اندھیرا چھایا ہے
ابھی تو صحن چمن میں اداسیاں ہیں وہی
کلی کلی پہ بھیانک خزاں کا سایا ہے

بلند محلوں پہ ہوتی ہے نور کی بارش
مگر غریب کی کٹیا میں اک کرن بھی نہیں
ادھر تو نقرئی جسموں پہ ہے قبائے حریر
ادھر سلگتی ہوئی لاش پر کفن بھی نہیں

نظام گردش دوراں بدل ہی جائے گا
خزاں یقیں ہے بہاروں سے ہار مانے گی
کبھی تو آئے گی نور حیات کی منزل
کبھی تو رات، ستاروں سے ہار مانے گی

سسک رہی ہیں جو شمعیں ابھی شبستاں میں
ضرور تیز کبھی ان کی روشنی ہوگی
یہ زندہ لاشیں جو ننگ دم مسیحا ہیں
انھیں پہ ناز کناں صبح زندگی ہوگی

کبھی تو عیش و طرب کی سجے گی بزم اے دوست
کبھی تو چھیڑیں گے ساز حیات دیوانے
یقیں ہے تیرہ شبی کا طلسم ٹوٹے گا
وہ نور بخشا ہے شمع امید فردا نے

## وہ ایک لمحہ
(سلیم عمر کی یاد میں)

ابھی تو بس کچھ دنوں ہی پہلے
مجھے اس کا خط ملا تھا
اک ایسی تحریر
جس نے
نڈھال
مایوس
مضمحل اور مجروح دل کی رگوں میں
تازہ لہو بھرا تھا
چاہت کے وجود کو
جنوں کی سیل رواں سے جوڑا تھا
اس کا خیال میری جلوتوں میں
اس کا خیال میری خلوتوں میں

اس کی رفاقتوں کا احساس
اس کے لہجے کی شگفتگی
اس کے گفتار کی نرمی
شکایتیں
محبتیں
کہاں سے لاؤں
چراغ تو بجھ چکا ہے
روشنی کہاں سے پاؤں

وہ ایک لمحہ
جو غم جاوداں بن کر
دلوں میں اترا

وہ ایک لمحہ

جو روح فرسا تھا، جاں گسل تھا
جس نے
دل و دماغ پر اک سیاہ چادر ڈال دی
رفاقتوں کی کتاب کے
تمام اوراق منتشر کر دیے
اب
کیسے سمیٹوں
کیسے سنواروں
کیسے سجاؤں

وہ ایک لمحہ
جو کسک بن کر چبھ رہا ہے
بہار زندگی کے سارے قصے
جھوٹے ثابت ہو گئے ہیں
خموش، حیراں، اداس اور دم بخود
کھڑا ہوں
بے ثباتی کے دشت ہو میں
بس اک حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں
جو لازوال ولم یزل ہے

# کـــاش
## (آزادی کے جشنِ زریں پر)

وہ ایک عورت جو ہماری ماں ہے
شفقتوں میں
محبتوں میں
نگاہ و دل کا مرکز بنی ہوئی ہے
کبھی تھا اس کے گلے میں

طوق پابندیوں کا
پیروں میں زنجیر بے بسی کی
اور ہاتھوں میں کنگن
مجبوریوں کے
مگر اب وہی عورت
کھلی فضاؤں میں سانس لے رہی ہے
خوشی سے جی رہی ہے
وہ ہر نئی صبح اک نیا سورج طلوع کرتی ہے
اور

اب تک نہ جانے کتنے سورج
اگا چکی ہے
وہ زندگی سے بھرپور گیتوں سے
دنوں کو مالا مال کر رہی ہے
وہ رات آتے ہی
اپنے بچوں کو
اک نئی کہانی سنا کے
عزم و عمل کی جوت جگاتی ہے
اور اس کا یہ عمل
پچاس برسوں سے جاری ہے
کاش
ہم اس کے خوابوں کو سچا کر سکتے

## یاد

وہ اک
پرندہ ہے خوشنما سا
جو شاخ دل پر ہی
بیٹھتا ہے
مہیب جنگل کے گھپ اندھیرے
یا روشنی میں
وہ ٹہنیوں پر
کبھی نہ اترا
کبھی نہ ٹھہرا
وہ جب بھی
پر اپنے کھولتا ہے
تو
نور کی
اک سفید چادر
فضا میں ہر سمت
پھیلتی ہے

# اپنا وطن پیارا وطن

اے زمین حریت اے سورماؤں کے وطن
تیری دھرتی پر نجوم و مہر کی رفعت نثار
تیرے ذروں کی چمک میں ہے فروغ زندگی
تیرے جاں بازوں کے دم سے آدمیت کا وقار

تیری جاں پرور فضا میں گھول کر مغرب نے زہر

لاکھ چاہا چھین لے رخ سے ترے تابندگی
تیرے بیٹوں کی مگر جہد مسلسل کے طفیل
مسکراتا ہی رہا ہر آن روئے زندگی

عزم کی اس آہنی دیوار سے ٹکرا سکیں
ٹینک، طیاروں میں اتنا زور آسکتا نہیں
مشرقی تہذیب کی پیشانی بے داغ کو
مغربیت کا طلسم تو جھکا سکتا نہیں

دل کے جذبوں کو ملا جب سعیٔ پیہم کا خلوص
سرفروشی نے مٹا ڈالا غلامی کا عذاب
آج تک اوراق ماضی پر لکھا ہے دوستو
بربریت جب بڑھی حد سے تو آیا انقلاب

عظمت آزادیٔ ہندوستاں پائندہ باد
ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا آخر غلامی کا حصار
سرفروشانِ وطن کے خون کی ایک ایک بوند
صفحۂ تاریخ پر ہے حریت کی یادگار

سورماؤں، سرفروشوں، جاں نثاروں کو سلام
اے وطن تیرے جیالے پاسبانوں کو سلام

# نوائے امروز

مضمحل چہروں، تھکے جسموں میں کیا رکھا ہے
یہ دھنسی آنکھیں، جھکے کاندھے بھلا کیا دیں گے
مجھ کو اس عہد میں اس طرح کی سوغات نہ دو

سوچ لو یوں کہ ہر اک تار نفس، رشتۂ جاں
فکر و آلام کے شعلوں سے پگھلنے نہ لگے
بھوک کی آگ میں گھر کر کہیں جلنے نہ لگے

یہ نئی نسل ہے سرمایۂ ملک و ملت
اس امانت کو کسی طرح بچا کر رکھو
اپنے سینے سے ہر اک لمحہ لگا کر رکھو

شوخ پھولوں سے نکھر جائے چمن کی رونق
چاندنی آکے بکھر جائے ہر اک آنگن میں
خوشبوئیں جھومیں بھی لہرائیں بھی ہر گلشن میں

کوئی بھی شخص کسی بات پہ مجبور نہ ہو
اب کوئی خوف کسی کو نہ ہراساں رکھے
اب خوشی کاش ہر اک چہرے کو خنداں رکھے

آؤ اس عہد کی سوغات تمہیں دیتا ہوں
اپنے چھوٹے سے گھروں میں جو کھلونے رکھو
خوبصورت ہوں طرحدار ہوں رنگین بھی ہوں

# گھر کی جنت

ایک مدت سے ہم سب کا یہ حال ہے
ذہن پر مسئلوں کا بچھا جال ہے

جانے کب تک بکھرتی رہے زندگی
اپنے سائے سے ڈرتی رہے زندگی
یوں ہی گھٹ گھٹ کے مرتی رہے زندگی

خواب زاروں کی رنگینیاں چھوڑ کر
اپنی چھوٹی سی جنت میں آجائیں پھر
ایک دو پھول کافی ہیں اپنے لیئے
اپنے گھر کو انھیں سے سجانا ہے بس
اپنی خوشیاں انھیں میں بسانا ہے بس

آؤ باتوں کو میری سنو غور سے
ڈھیر سے پھولوں کی خوشبوئیں ذہن کو
بخش دیتی ہیں کچھ وحشتیں دوستو

اس لیے یہ ضروری ہے اس عہد میں
خود کو خوش حال رکھنے کی کوشش کرو
یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم سبھی
زندگی کے مسائل پہ سوچا کریں
اپنے حالات اپنی نظر میں رہیں
اپنی اوقات سے خود کو بڑھنے نہ دیں

زیست کو اب بکھرنے نہ دو دوستو
بھوک سے خود کو مرنے نہ دو دوستو
تم نئے وقت کے، تم نئے عہد کے
خود ہی معمار ہو، خود ہی سالار ہو

قوم کے واسطے، ملک کے واسطے
مسئلہ بن نہ جائیں یہ آبادیاں
میں یہی چاہتا ہوں کہ ہر عہد میں
ہر بشر سوچ کر، جان کر، بوجھ کر
خواب بنتا رہے ، پرسکوں زیست کا
اس کی راہیں نہ روکے کوئی مسئلہ

شام پھیلے تو روشن رہے زندگی
صبح آئے تو مہکا کرے زندگی

## غالب
(دو سو سالہ جشن پیدائش پر)

تم یہ کہتے ہو کہ قائل نہیں اسلاف کا میں
سچ ہے یہ دور بھی اسلاف پرستی کا نہیں
آج ہر جام ہے لبریز مۓ ہستی سے
جام دیروز میں یہ بادۂ رنگیں ہے کہیں

تم نے سمجھا ہی نہیں فلسفۂ زیست ہے کیا
کب میں کہتا ہوں کہ جھٹلا دو گزشتہ لمحے
میں نے تو اور بھی چمکاۓ ہیں ماضی کے نقوش
گل کیے ہوں گے تمھیں نے گۓ وقتوں کے دیۓ

میں اس افلاس زدہ دور سے بچ کر اے دوست
لکھ نہیں سکتا کسی حال میں بوسیدہ ادب
اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ میں پیش کروں
بے تپ و تاب و پراگندہ و ژولیدہ ادب

کل جو تھا طرز جہاں آج کہاں ہے باقی
ساتھ دے سکتی نہیں آج کا وہ رسم کہن

کل تو کچھ اور ہی تھی لوح و قلم کی دنیا
آج کچھ اور ہے دیوانوں کا انداز سخن

میرے افکار پہ کہتے ہو کہ ہے مہر لگی
حافظ و سعدی بھی ہیں عہد گزشتہ کے ادیب
تم ہی بتلاؤ کہ مرتا ہے کہیں ایسا ادب
جو رہا ہو غم ہستی، غم دوراں کے قریب

عشق اور حسن کے افسانوں میں کیا رکھا ہے
سن کے ان قصوں کو بیمار نہیں جی سکتے
جس میں شربت ہو فقط، بادۂ تریاق نہ ہو
آج اس جام کو مئے خوار نہیں پی سکتے

میرے دل میں بھی عقیدت کا دیا جلتا ہے
ہو ظہوری و نظیری کہ ہو طالب کا کلام
کیٹس، ٹیگور کہ اقبال ہوں تلسی ہوں کہ میر
سب سے غالب کو جدا رکھتا ہے غالب کا کلام

آج بھی حضرت غالبؔ کا قلم زندہ ہے
اس سے ملتا ہے ابھی جس کی ضرورت ہے ہمیں
آج کے دور میں بھی تازہ ہیں افکار اس کے
یہ الگ بات کہ اس سے بھی کدورت ہے ہمیں

# منتخب روز گار : ابو الکلام آزادؔ

قدم قدم پہ عقیدت سے سر ہے خم میرا
چلا ہے سوئے رہ معتبر قلم میرا

دل و دماغ کو اونچا بنا دیا جس نے
فیوض علم سے اعلیٰ بنادیا جس نے

بڑے خلوص سے دیتا تھا درس انسانی
ہوئے ہیں جس کی بدولت ضمیر نورانی

وہ جس نے راہ محبت دکھائی تھی ہم کو
وہ جسنے رسم اخوت سکھائی تھی ہم کو

وہ جس نے برتر وبالا خیال بخشا تھا
جو لازوال ہے ایسا کمال بخشا تھا

وہ ایک فکر جو بااعتبار کرتی ہے
نظر میں قابل صد افتخار کرتی ہے

وہ جس نے زیست سجائی جلائے دل کے چراغ
اسی کے سوز نے بخشی ہمیں متاع دماغ

اسی نے طرز تکلم کی چاشنی دی ہے
اسی نے علم کی خوش رنگ زندگی دی ہے

اسی نے حرف ہدایت سے سرفراز کیا
خدا کا شکر ہمیں آشنائے راز کیا

گلوں سے پیار عنادل سے اس کا یارانہ
سکون و امن کا مرکز تھا اس کا کاشانہ

متاع علم لٹاتی رہی ہے ذات اس کی
بہت دراز تھی زلف نواز شات اس کی

رخ حیات کو بخشی ہے اک جلا اس نے
شعور ذوق نظر کا عطا کیا اس نے

سکون دل کو میسر تھا اس کی قربت سے
ہم اہلِ ہند کی عظمت ہے اس کی نسبت سے

افق پہ ابھرا جو وہ الہلال کی صورت
جوان ہو کے رہی البلاغ کی فطرت

ہیں تذکرہ میں کچھ ایسے نقوش فکر جمیل
غبار خاطر و خطبات کی سجیں قندیل

جو ترجمان سے پھیلی کلام کی خوشبو
سنوارے اس نے ہی پیچیدہ عقل کے گیسو

اسی نے ساز ادب کو صدائے نو بخشی
شکستہ دل کو انوکھی ادائے نو بخشی

دیار گل میں وہ آیا تھا مسکراتا ہوا
ہر ایک خار چمن کو گلے لگاتا ہوا

گلوں کا رنگ صبا کا شعار لایا تھا
وہ اک بہار تھا حسن بہار لایا تھا

نہ اس بہار سے اب تک بھرا تھا دل اپنا
کہ چند لمحوں کو اس سے لگا تھا دل اپنا

قضائے حسن چمن کو چمن سے چھین لیا
شباب جیسے نویلی دلہن سے چھین لیا

بہار ہے نہ وجود بہار باقی ہے
دلوں میں یاد نمود بہار باقی ہے

بزرگ و مخلص و عالی وقار تھا وہ شخص
کہ ایک منتخب روزگار تھا وہ شخص

# روشنی کا سراغ
(سر سید احمد خاں کی یاد میں)

ہمارے ذہنوں پہ
کتنی صدیوں کے
مہیب اندھیرے کی حکمرانی میں

ایک مہرِ لازوال چمکا
تاریک راہوں کو روشنی کا سراغ ملا
نگاہ و دل کو
نئی منزلوں
نئی رفعتوں
نئی عظمتوں

کا پتہ بتا کر
عمل کی اک شمعِ نو جلا کر
جس نے
ہمارے وجدان و ادراک کو جھنجھوڑا
غنودگی کے شکار، احساس کو جگایا
شعور کی بے حسی کو
اک ارتعاش کی کیفیت عطا کی

وہ جانتا تھا کہ
زیست کے اس بے نور صحرا میں
وقارِ ملت کہاں نہاں ہے
عروج کی داستاں کے آغاز کا اجالا کہاں چھپا ہے
وہ جانتا تھا
کہ تاریخ اقوام عالم میں
زندہ قوموں کی شناخت
علم کی بدولت ہے
اور
علم سے دور رہنے والی قومیں
اک کاسۂ تہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں
اسے
اس رازِ سربستہ کا عرفان ہو چکا تھا
کہ علم ہی ہے
وقارِ ہستی
بہارِ ہستی
اسی لیئے آج اس کے در پر
جبینِ عالم جھکی ہوئی ہے
--

# وہ اک ستارہ
(نیتاجی سبھاش چندر بوس کے صد سالہ جشن پر)

وہ اک ستارہ
جو آسماں کی بلندیوں سے اترا
غلام ہندوستاں کی
مہیب تاریکیوں میں چمکا
جس نے ساکت فضاؤں کو ارتعاش بخشا
شعور کو
بیداریاں عطا کیں
اور
ضمیر کو جھنجھوڑا
بے فکر ذہنوں کو
فکر کی حرارت سے جوڑا
دلوں میں شمع آزادیٔ وطن جلائی
کہ جس سے
دلوں کے سیاہ خانے منور ہوئے
وہ جانتا تھا
کہ
آہن آہن کو کاٹتا ہے
وہ عسکری طاقتوں سے
جابر عسکریت کے استحکام کو
پارہ پارہ کر کے
وطن کو آزاد کرنے کا

خواب بنتا رہا
وہ عزم اور حوصلے کی قندیل
اپنی صلیبِ جاں پر
جلا کے
روشنی اور تمازتیں بانٹتا رہا
وہ جانتا تھا
اپنے سفر کی
ابتدا اور انتہا کا حاصل
وہ ذہن کی
وسعتوں میں
اس امید کے ساتھ
عزائم کے بیج بوتا رہا
کہ
آنے والی نسل
اس فصل کو
کامیابی اور کامرانی سے کاٹ سکے۔

## چراغ تھا نہ رہا
(آنجہانی راجیو گاندھی کی یاد میں)

اداس شامیں
فسردہ صبحیں
غبار آلود ہیں فضائیں
دھواں دھواں جادۂ نظر ہے
نہ منزلوں کا نشان کوئی
نہ روشنی کے سفر کی سمتیں
یہ کون آیا تھا
ذہن و دل میں
ہزار ہا رفعتیں سمیٹے

وطن کی رفعت
سخن کی رفعت
زباں کی رفعت
نظر کی رفعت
قلم کی رفعت
ہنر کی رفعت
وہ اک مسافر
نکل پڑا تھا
جہاد کرنے

جہادِ فکر و نظر سے اس کا
جہادِ طرزِ عمل سے اس کا
جہاد تاریکیوں سے اس کا
جہاد محرومیوں سے اس کا
وہ خود ہی جادہ تھا
خود ہی منزل
وہ خود ہی اک کارواں تھا
جس میں
سمٹ چکی تھیں تمام سمتیں
تمام راہیں
تمام رہ رو
تمام رہبر
مگر
اک عفریتِ عہدِ نو نے
نگل لیا جسم و جاں کو اس کے
نئی سحر کی چمک سے پہلے
مگر
فضاؤں میں اب بھی اس کی صدائیں
ہر سمت مسکرا کے
عمل کا پیغام دے رہی ہیں

# سال کی آخری نظم

الوداع
کہتے ہوئے تجھ کو
مجھے کوئی دکھ نہیں
ایک دن بھی تو نے ہمیں ایسا نہیں دیا
ایک رات بھی ایسی نہیں دی
کہ
جب ہم سکون کی سانس لے سکتے
چین کی نیند سو سکتے
تیرے تین سو پینسٹھ اوراق پر لکھے ہوئے ہیں
فرقہ وارانہ فسادات
مذہبی تنازعات
علاحدگی پسندانہ تحریکات
کشت و خون
تشدد
دہشت گردی

بموں کے دھماکے
بے شمار لاشیں
اغوا
کرفیو
اسمگلنگ
ہائی جیکنگ
نشیلی اشیاء کا فروغ
آبادیوں کی منتقلی
اقتدار کی تبدیلی

فوجوں کی پیش رفت
زلزلے
ریلوں کے حادثے
ہوائی جہازوں کے حادثے

صفحہ در صفحہ
عنوانات بکھرتے گئے
بوسنیا
ہرزے گونیا
سربیا
چیچینیا
کشمیر
پنجاب
مہاراشٹر

کراچی
افغانستان
سری لنکا
فلسطین
لکھنے کا عمل جاری رہا
سنسنی خیز سچائیوں کو
اوراق سمیٹتے رہے
لمحہ بہ لمحہ

اور اب
ان آخری لمحوں میں
تجھ سے
التجا ہے
کہ
آنے والے تازہ دم لمحوں کو

توان عفریت پرور وقتوں سے محفوظ رکھ
تاکہ
ہم صبح نو کی سنہری دھوپ میں
اپنے بے جاں سے جسموں کے منجمد لہو کو پگھلا کر
جینے کی آرزو کر سکیں

# نئی صدی کا استقبال

چلو ان روشنیوں
کے شہر سے اب دور
کسی جنگل کی جانب،
تلاشا جائے اس
تہذیب کے دھندلے نشاں
جو نقش پارینہ ہیں لیکن
ان فضاؤں سے
جہاں ہم سانس لیتے ہیں
سکون قلب کی خاطر
بہت راحت فزا ہیں
نئی تعبیر ڈھونڈیں

زندگی کی
اور جینے کی
نئی دنیا بنائیں

# شہر بے چراغ میں

سعید عارفی